

مولانا مفتی محمد عارف عارفی

مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شوال کے ۶ روزوں کے بارہ میں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ

ماہ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ کو مدرسہ احسن العلوم کراچی سے شائع ہونے والا ماہنامہ ”الاحسن“ موصول ہوا۔ جس میں مولوی محمد ہمایوں مغل صاحب کا مضمون بنام ”حسن المقال علی دجل صفوة الاقوال“ نظر سے گزرا۔ اولاً تو مضمون نگار کے انداز و مخاطب جو ایک عالم دین کے قطعاً شایان شان نہ تھا، اسی لئے مضمون کو اہمیت نہ دی۔ مگر بعد میں بعض اہل علم کے اصرار پر مضمون کے بعض مقامات اور خصوصاً جن خود ساختہ اصولوں کے ذریعہ مضمون نگار نے ماہ شوال کے چھ روزوں کے انتخاب کا ثابت شدہ حکم کو کراہت، بدعت اور مشتمحات میں داخل کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، پر مختصر اچند سطور لکھنے کا ارادہ کیا۔ تاکہ موصوف کی طلیعت اور قوت استدلال علمی حلقوں پر واضح ہو جائے۔ ورنہ شوال کے چھ روزوں کے انتخاب کیلئے اس ناچیز کا رسالہ ”صفوة الاقوال فی صیام سہ من الشوال“ کافی ہے، جسکے بارے میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہید نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ ”میرا حسن ظن ہے کہ اس محنت و جدوجہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی طالب علم کو شوال المکرم کے چھ روزوں کے انتخاب کے حوالے سے شکوک و شبہات کا الجھاؤ نہیں رہے گا“

(صفوة الاقوال ص ۱۲)

مگر بعض حضرات کی عادت و فطرت ہوتی ہے کہ وہ اعتراض پے اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں چاہے ان کے اعتراض کا کوئی علمی مقام اور وزن ہو یا نہ ہو، مگر اعتراض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مضمون نگار نے اپنے مضمون میں یہی انداز اختیار کیا ہوا ہے، حالانکہ فروعی مسائل میں اختلاف کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ دور صحابہ سے لیکر آج تک چلا آ رہا ہے، مگر کسی نے بھی فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والے اپنے مخالف کے بارے میں ایسا انداز و مخاطب اختیار نہیں کیا ہے، اگر ایسا انداز و مخاطب درست ہوتا اور شریعت مقدسہ میں اسکی گنجائش ہوتی تو مقلدین امام ابو حنیفہؒ اور اسکے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے بارے میں اختیار کرتے کہ انہوں نے اسی مسئلے میں اپنے شیخ سے اختلاف کرتے ہوئے ان روزوں کو مسنون قرار دیا ملاحظہ ہو المحرر الرائق ۴۵۱/۲ اور متاخرین علماء احناف باوجود امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلدین ہونے کے انہوں نے آپؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفصیل کے لیے صفوة الاقوال صفحہ ۳۴ تا ۳۳ ملاحظہ فرمائیں)

مگر مضمون نگار اپنے اس مضمون میں شوال کے چھ روزوں کی مخالفت میں اس حد تک گئے ہیں کہ رسالہ صفوة الاقوال کے

صفحہ ۵۳ پر حضرت ابوالیوب انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت براء بن عازبؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طاؤسؓ سے مروی دس روایات ہیں جنکے بارے میں تفصیلاً انکی سند کی بحث ان پر کئے گئے بعض اعتراضات اور انکے جوابات جو صفحہ الاقوال میں مذکور ہیں تو وہ دس روایات بھی ان روزوں کے استحباب کے لئے مضمون نگار کے ہاں کافی نہیں۔ ان روایات کو تو مضمون نگار نے یکسر نظر انداز کر کے ان روزوں کو مستحبات میں شامل کیا چنانچہ لکھتے ہیں

”تو کم از کم یہ روزے مشتبہ تو ہو ہی گئے اور مسلمانوں کی یہ شان نہیں کہ وہ مستحبات کے پیچھے دوڑیں کیونکہ بمقائے حدیث الحلال بین والحرام بین و بینہما مشتبہات فمن اتقى الشبهات لکن عجیب بات ہے کہ عام مسلمانوں کا تذکرہ تو چھوڑیے ہمارے دورے کے مولوی بھی مستحبات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں (ملاحظہ لالسن صفحہ ۳۸ تا ۳۹) الجواب: حضرت ابوالیوب انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت براء بن عازبؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہم اجمعین اسی طرح علماء شوافع، علماء حنابلہ، امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ، متاخرین علماء احناف اور ہمارے اسلاف و اکابرین جو ان روزوں کو رکھتے تھے اور ان کو مستحب سمجھتے تھے، کیا یہ سب مستحبات کے درپے تھے؟ لہذا عجبا، مناسب تھا کہ اس قسم کے کلمات کو لکھتے وقت سوچ لیا جاتا تاکہ ان پاک ہستیوں کی شان میں اس قسم کے کلمات نہ لکھے جاتے۔ اس لیے اہل بعیرت فرماتے ہیں کہ پہلے تو لو پھر بولو۔ بہر حال ہر ایک کا اپنا انداز بیان ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر فاضل مضمون نگار نے سوال کے چھ روزوں کو مکروہ ثابت کرنے کیلئے جن اصول کا بڑے خود سہارا لیکر یہ سوال والی روایت کو ختم کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ تو اولاً ہم موصوف کے اصول کو نمبر وار لکھیں گے اور پھر قارئین پر واضح کرینگے کہ کیا اس جال میں خود میاؤں تو نہیں آیا؟

مغل صاحب کا پہلا اصل (ضابطہ): موصوف کا پہلا اصل کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے ضروری ہے فقہاء کرام کا اس حدیث پر عمل ہو ملاحظہ ہو (الاحسن صفحہ ۳۶) اور اس اصل کو ثابت کرنے کے لیے موصوف نے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور امام ابوداؤدؒ کا حوالہ دیا ہے۔

الجواب: موصوف کے اس اصل کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو حدیث کی صحت کے لیے صرف فقہاء کرام کا اس حدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ذخیرہ کتب میں یہ اصل نہیں دیکھا گیا معلوم نہیں کہ موصوف نے یہ قانون و ضابطہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ انہیں حوالہ دینا چاہیے تھا۔ ہاں ضعیف حدیث کی صحت اور حجیت کے لیے فقہاء کرام اور امت کا تعلق بالقبول کافی ہے (تفصیل کے لیے صفحہ الاقوال صفحہ ۳۷ ملاحظہ ہو)

تایا: لیکن اگر بالفرض دو منٹ کے لیے موصوف کے اس اصل کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو موصوف کا ذکر کردہ یہ اصل بھی

ستہ شوال کے حدیث کو مخدوش نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اسی روایت پر فقہاء کرام کا ہی عمل چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ مضمون نگار نے ۲۰ علماء کرام اور فقہاء کرام کے مرتب کردہ کتاب الموسوعة الفقهية کا اہم نوٹ کے عنوان کے تحت جو حوالہ دیا ہے اسی کتاب کی چند عبارات اس لئے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس روایت پر فقہاء کرام کا عمل ہے یا نہیں اور موصوف کا یہ اصل اس روایت کو ناقابل حجت بنانے کیلئے کس حد تک درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ والموسوعة الفقهية (۱) **ذهب جمهور الفقهاء الى والشافعية والحنابلة و متاخرو الحنفية الى انه يسن**

صوم ستة ايام من شوال بعد صوم رمضان (الموسوعة الفقهية ۹۲/۲۸)

جمہور فقہاء کرام..... شافعیہ، حنابلہ اور متاخرین علماء احناف اس بات کی طرف گئے ہیں کہ رمضان کے روزوں کے بعد شوال کے یہ چھ روزے رکھنا سنت ہے۔

(۲) **مذهب الشافعية استحباب صومها لكل احد سواء اصام رمضان ام لا (الموسوعة الفقهية ۹۳/۲۸)** شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ شوال کے یہ چھ روزے ہر کسی کے لیے مستحب ہے چاہے اُس نے رمضان کے روزے رکھے ہوں یا نہ۔

(۳) **و عند الحنفية تستحب السنة متفرقة كل السبع يومان (الموسوعة الفقهية ۹۳/۲۸)** اور حنفیہ کے ہاں شوال کے یہ چھ روزے متفرق طور پر کہ ہفتے میں دو دن روزہ رکھے مستحب ہے۔
اسی طرح علامہ قاسم بن قطلوبغا نے لکھا ہے:

(۴) **قال العلامة اكمل الدين الباسري، و ذهب الاكثرون الى عدم كراهته عملاً بظاهر الحديث بحواله تحرير الاقوال ۴۲/العناية)**

کہ اکثر فقہاء کرام ان روزوں کو ظاہری حدیث پر عمل کرتے ہوئے مکروہ نہیں سمجھتے۔

قال في المغنى ان هذا الصوم مستحب عند كثير من اهل العلم روى ذلك عن كعب الاخبار والشعبي وميمون بن مهران وبه قال عبدالله بن مبارک والامام الشافعي والامام احمد بن حنبل واسحاق بن راهويه ومن عددناه من علمائنا (تحرير الاقوال ۴۴)۔

شوال کے یہ چھ روزے اکثر اہل علم کے ہاں مستحب ہیں اور یہ حکم کعب اخبار، امام شعبی، ميمون بن مهران سے مروی ہے اور اسی پر عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور ہمارے علماء میں سے بہت سارے علماء کا فتویٰ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا موصوف کے ہاں مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور متاخرین احناف فقہاء کرام میں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو موصوف نے حدیث ستہ شوال کی ناقابل حجت ہونے کے لیے جو اصل حدیث پر کیا ہے وہ اس حدیث پر لاگو نہ

ہوگا اس لیے کہ اس روایت پر فقہاء کرام کا بھی عمل رہا ہے اور اب بھی ہے اس لیے موصوف کے بیان کردہ اصل کے مطابق بھی سترہ شوال والی حدیث صحیح اور قابل حجت ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے ع لو خود اپنے دام میں صیاد آ گیا

مغل صاحب کا دوسرا اصل (ضابطہ) یہ ہے: مغل صاحب نے شوال کے چھ روزوں کی تردید کے لیے

ایک دوسرا اصل ایک اہم اصول کے عنوان سے یہ لکھا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں سنت اور بدعت کے درمیان تعارض آ جائے یا کوئی سنت اہل بدعت کا شعار بن جائے تو اس سنت کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔ شیخی و استاذی و سندی (مولانا مفتی زرولی خان) نے احسن المقال کے صفحہ ۳۶ پر اس کو ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاحسن، ص ۳۸) اور مزید لکھتے ہیں کہ جب کسی فعل میں تردید واقع ہو جائے اور اس میں بدعت اور سنت کو متعین کرنا ممکن نہ ہو تو اسی صورت میں سنت کو ترک کر کے بدعت کو چھوڑنے پر ترجیح دی جائے گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سنت پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ لیکن ہر بدعت سے اجتناب فرائض کے درجے میں سے ہے۔ (لاحسن، ص ۳۹)

الجواب: یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ شوال کے چھ روزے کس طرح بدعت ہیں؟ اور بدعت کی کوئی تعریف ان روزوں پر صادق آتی ہے؟ حدیث پاک میں تو بدعت ہر اس عمل کو کہا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہو۔ یا آپ ﷺ نے اس عمل کے بارے میں قولاً یا عملاً کچھ نہ فرمایا ہو۔ حالانکہ شوال کے چھ روزوں کے ثبوت کے بارہ میں دس روایات مروی ہیں پھر بھی ان روزوں کو بدعت کہا جا رہا ہے۔ قارئین خود انصاف کریں۔

اس کے علاوہ یہ روزے سلفاً و خلفاً و عملی طور پر ثابت ہیں جن میں حضرات صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی گزشتہ صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں یا جن ائمہ مجتہدین شافعیہ، حنبلیہ، مالکیہ، حنفیہ میں و متاخرین علماء احناف اور جن چھ بڑے بڑے دارالافتاء و مفتیان عظام کے فتاویٰ منفوۃ الاقوال کے صفحہ 51 تا 53 پر درج ہیں۔ جن میں دارالعلوم دیوبند دارالعلوم کراچی، خیر المدارس ملتان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مفتی عبدالرحیم لاچپوریؒ قابل ذکر ہیں۔ کیا یہ حضرات اہل بدعت ہیں؟ جو ان روزوں کو مستحب سمجھتے ہیں اور کیا ان کے شعار بنانے سے ان روزوں کو ترک کیا جائیگا؟ یا جن محدثین نے ان روزوں کے اثبات کے لئے باب باندھ کر ان کے نیچے حدیث سترہ شوال ذکر کی ہے کیا یہ حضرات اہل بدعت میں شمار ہیں؟ اور امت مسلمہ کے کس فقہی نے ان روزوں کو بدعت کہا ہے؟

مضمون نگار کو کسی معتبر کتاب کا حوالہ دینا چاہیے تھا مگر چونکہ ان روزوں کو بدعت کہنا والا کوئی نہیں علاوہ مضمون نگار اور بقول اس کے شیخ اور استاد کے۔ اس لئے انہوں نے صرف کراہت کا حوالہ دے کر اس سے بدعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ بدعت ایک قبیح عمل ہے اور اس کا مرتکب جہنمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کُل بدعة ضلالة و کُل ضلالة فی النار (الحديث) کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

تو ان روزوں کے احتباب کے حکم کو مرموعہ کے حکم کے برابر سمجھنا جائی جرات ہے جو صاحب علم کو

زیب نہیں دیتا۔

موصوف نے مذہب خفی کے حوالہ سے احقر کے رسالے مغفوة الاقوال کی تردید کے لئے صرف کتابوں سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف کراہت کے قول کی نسبت پر زور دیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ان روزوں کی کراہت مروی ہے۔ اور فلاں فلاں کتاب نے اس قول کو ذکر کیا (ملاحظہ ہوا الحسن ص ۴۷)

الجواب: مگر کیا یہ ضروری ہے احناف کا مذہب وہ ہوگا اور وہی قول رائج ہوگا جو صاحب مذہب سے مروی ہو، اگرچہ اس مذہب کے اصحاب ترجیح نے صاحب مذہب کے قول کے خلاف دوسرا فتویٰ دیا ہو، اگر یہ جب مقرر رہی ہے اور اسکے خلاف صریح دلائل کی وجہ سے دوسرے قول کو ترجیح دینا ناجائز اور گناہ ہے تو پھر اجرت علی الطاعات میں صاحب مذہب امام ابو حنیفہؒ سے عدم جواز نقل ہے جبکہ متاخرین فقہاء احناف نے جواز کا قول کیا ہے اور متاخرین فقہاء کرام کی ترجیح پر مضمون نگار صاحب کے استاذ اور شیخ مولانا مفتی محمد زولی خان صاحب مدظلہ بھی فتویٰ دیا کرتے ہیں (ملاحظہ ہو مولانا مفتی محمد زولی خان مدظلہ کا رسالہ دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے) تو کیا یہاں پر مضمون نگار کو صاحب مذہب کی رائے اور قول معلوم نہیں یا کوئی اور مجبوری ہے۔

اسی طرح مفتودالغیر کے مسئلے میں متاخرین علماء احناف نے امام مالک کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ شام) اسی طرح بیع سلم کے ایک صورت میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شافعیہ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے (ملاحظہ ہوا امداد الفتاویٰ ۲۷۳)

اسی طرح گائے بکری وغیرہ جانور کو نصف پر دینے کے مسئلے میں حنابلہ کے قول پر فتویٰ ملاحظہ ہو (امداد الفتاویٰ ۳۳۳/۳) اسی طرح اور بھی مسائل ہیں کہ اکابرین کے فتاویٰ کے خلاف صاحب مذہب کا دوسرا قول مروی ہیں تو جناب مضمون نگار صاحب ان اکابرین اور اپنے شیخ کے فتاویٰ کو بھی دجل کہے گا۔

فقہ خفی مفتی بقول سے عبارت ہے: جبکہ مضمون نگار کا یہ اصول قابل غور ہے کہ فقہ خفی میں وہی مسئلہ رائج جو صاحب مذہب امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہو، اس لئے کہ کتب فقہ میں بے شمار ایسے مسائل درج ہیں اور ان پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے جو صاحب مذہب سے منقول نہیں ہیں بلکہ صاحب مذہب سے ان کے خلاف اقوال منقول ہیں۔ مگر اصحاب ترجیح نے صاحب مذہب کے قول کے علاوہ ان کے علاوہ کے اقوال پر فتویٰ دیا ہے۔

اس لئے اصول افتاء کی کتابوں میں یہ ضابطہ لکھا ہوا ہے:

ان كان في المسئلة قولان او روايتان او اكثر وجب الاخذ بما رجحه اصحاب الترجيح (المصباح ۵۸/۱) جب کسی مسئلے میں دو اقوال یا روایات یا اس سے زیادہ اقوال اور روایات ہوں تو اصحاب الترجیح نے جس قول کو رائج قرار دیا ہو اس کو لینا واجب ہے۔ اور علامہ شامی نے لکھا ہے:

(۲) لو صححو اور اویۃ اخی من غیر کتب ظاہر الروایۃ یتبع ماصححوہ ان القاضی المقلد لایجوز له ان یحکم الا بما هو ظاہر الروایۃ لا بالرویۃ الشاذۃ الا ان ینصوا علی ان الفتوی علیہا (شرح عقود رسم المفتی ۶۵)

کہ اگر اصحاب ترجیح نے اُس روایت کی تصحیح کی ہو جو کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ دوسری کتابوں میں موجود ہو تو مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اس روایت کی پیروی کرے (اس پر فتویٰ دے) جس کو اصحاب ترجیح نے صحیح کہا ہو..... بیشک مقلد قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اس قول کے مطابق فیصلہ کرے جس کے بارے میں اصحاب ترجیح نے کہا ہو کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ نہ صرف ظاہر الروایۃ پر فیصلہ کرے اور نہ روایت شاذہ پر۔ لہذا کتب فقہ میں اگرچہ امام ابوحنیفہؒ سے ان چھ روزوں کے بارے میں کراہت کا قول مروی ہے مگر اصحاب ترجیح نے امام صاحب کے قول کے خلاف استنباط کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کو مفتی برقرار دیا ہے چنانچہ چند عبارات پیش کئے جاتے ہیں

علامہ قاضی خان کی ترجیح:

علامہ فخر الدین المعروف بقاضی خان جس کو علامہ ابن کمال پاشا نے فقہاء کے طبقہ ثالثہ (طبقہ المجدین فی المسائل) میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح عقود رسم المفتی ۳۵)

آپ نے اگرچہ کیرہ والا جزئیہ اپنی کتاب فتاویٰ قاضی خان میں درج کیا ہے جس کا حوالہ صاحب مضمون نے الاحسن کے صفحہ ۳۶ پر دیا ہے مگر فتاویٰ قاضی خان کے اسی صفحہ پر علامہ صاحب نے ترجیح استنباط کو دی ہے والمختار ان لایکروہ ویستحب الامساک (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ ۱/ ۲۰۶)

فتاویٰ ہندیہ کی ترجیح:

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں بھی اگرچہ کراہت کا قول موجود ہے مگر ترجیح عدم کراہت کو ہے ملاحظہ ہو والاصح انه لا بأس به کذا فی محیط السرخسی وتستحب السنۃ متفرقة کل السبوع یومان کذا فی لفظہیریۃ (فتاویٰ ہندیۃ ۱/ ۲۰۱) صیح یہ کہ بیشک یہ روزے مستحب ہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے اور یہ چھ روزے متفرق طور پر ہر ہفتے میں دو روزے رکھنا مستحب ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے

مفسر الامم کی ترجیح:

اسی طرح فتاویٰ تاتارخانیہ میں اگرچہ امام صاحب کی طرف منسوب قول کراہت درج ہے جس کا حوالہ الاحسن کے صفحہ ۳۶ پر درج ہے۔ مگر فتاویٰ تاتارخانیہ کے اسی صفحہ پر مفسر الامم اہلوائی کے حوالہ استنباط کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ ان الکراہۃ فی المتصل ہرمضان اما اذا اکل بعد العید اہاماً ثم صام لایکروہ بل یستحب (فتاویٰ

تاتار خانہ ۲/۳۸۲) بیشک کراہت ان روزوں میں ہے جو رمضان کے ساتھ متصل رکھیں جائیں البتہ عید کے بعد کچھ دن کھائے پیئے اور پھر شوال کے روزے رکھے تو پھر مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہیں۔

شمس الائمہ الحلوئی کا مقام: علامہ ابن کمال پاشا نے آپ کو طبقہ المجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح عقود رسم الحنفی ۲۶۶ دارالکتب کراچی)

اور یہی عام متاخرین علماء احناف کا مذہب ہے چنانچہ فتاویٰ تاتار خانہ کے اسی صفحہ پر لکھا ہے

و عامة المتأخرين لم يروا به بأساً (فتاویٰ تاتار خانہ ۲/۳۸۸)

عامہ متاخرین نے ان روزوں کو مستحب سمجھتے ہیں۔

اسی طرح مضمون نگار نے کراہت کے لئے الاحسن میں البحر الرائق کا جو حوالہ دیا ہے لیکن اگر صاحب مضمون تھوڑی سی تکلیف کر کے دوسری سطر میں دیکھتے تو لیکن عامة المتأخرين لم يروا به بأساً کی عبارت دیکھ لیتے اور پھر تھوڑی سی اور تکلیف کرتے ہوئے البحر الرائق کا حاشیہ مطالعہ فرماتے تو علامہ ابن عابدین کی ترجیح بھی نظر آ جاتی۔ چنانچہ البحر الرائق کے اس صفحہ پر علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں

لكن عامة المتأخرين لم يروا به بأساً قد سرد عبارتهم العلامة قاسم في فتاواه ورد قول من

صحيح الكراهة (منحه الخالق حاشية البحر الرائق ۲/۴۵۱)

صاحب حدیث کی ترجیح: صاحب علامہ برہان الدین مرغینانی نے بھی استحباب کو ترجیح دی ہے:

والمختار أن الكراهة إنما كانت لأنه لا يامن من أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبهاً بالنصاري والان زال هذا المعنى (التجنيس والمزيد ۲/۴۱۳.۴۱۲)

صاحب حدیث کا مقام: علامہ ابن کمال پاشا نے آپ کو طبقہ اصحاب الترجیح میں شمار کیا ہے (ملاحظہ ہو شرح عقود رسم الحنفی ۳۸)

ابواللیث سمرقندی کی ترجیح: منهم من كرهه والمختار انه لا بأس به لان الكراهة إنما كانت لأنه لا يؤمن

عن أن يعد ذلك من رمضان فيكون تشبهاً بالنصاري والان قل زال هذا المعنى (فتاویٰ نوازل)

اسی طرح آئینتیس کے حاشیہ میں ان روزوں کے بارے میں مذکور ہے

بل مستحب وسنة وأشار ابني هذا في الظهيرية والبحر الرائق والمحيط السرخسي وغيرها من

كتب اصحابنا (حاشية التجنيس والنريد ۲/۴۱۳)

بلکہ یہ روزے مستحب اور سنت ہیں اور اسی کی طرف ظہیریۃ البحر الرائق، محیط سرخسی اور ہمارے اصحاب کے دوسری کتابوں میں اشارہ ہوا ہے۔ اس لئے ایک حنفی مفتی صاحب کو اس مسئلہ میں اصحاب ترجیح کی تصحیح کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے اور یہی اس وقت مذہب حنفی ہے۔ (جاری ہے)